© rasailojaraid.com

عملِ تدریس میں استاذ کا کردار

غلام الرحمٰن

میں اپنی معروضات کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ کہ ہم اپنے ماحول کے حوالے سے کچھ اس خوش فہمی کا شکار ہیں کہ ہم کسی چیز کے محتاج نہیں اور کسی تجربے سے ہمیں استفادے کی ضرورت نہیں، اس خوش فہمی نے ہمیں کئی میدانوں میں استفادے سے محروم رکھا ہے۔ ہمیں یہ حقیقت جاننی ہوگی اور اس حقیقت سے ہم کبھی انکار نہیں کر سکتے کہ معاشرے کی جتنی ترقی آپ دیکھ رہے ہیں اس میں تجربہ کا اہم کردار ہے اور تجربے سے استفادے پر یہ ترقی چل رہی ہے اور شریعت بھی تجربہ سے استفادے کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔ بلکہ بطور دلیل میں آپ سے عرض کروں کہ بخاری شریف اور مسلم شریف کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ جب معراج سے واپس تشریف لا رہے ہیں تو پچاس نمازوں کا آپ کو حکم مل رہا ہے، جب آسمانوں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے پوچھا کہ کیا تحفہ لائے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پچاس نمازیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: بنی اسرائیل پر میرا تجربہ ہو چکا ہے، آپ کی امت میں یہ استعداد نہیں کہ پچاس نمازیں ادا کر سکے۔ اس لیے اس تجربے کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نو دفعہ رب العالمین کے دربار میں واپس تشریف لے گئے تو اس طرح پچاس نمازوں میں کمی کرتے کرتے پانچ ہو گئیں۔ یہ تجربے کے حوالے سے ایک حقیقت ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معاشرے میں افضل مفضول کے تجربے سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ رسول اللہ افضل ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تجربے کے پیشِ نظر بار بار رب کائنات کے دربار میں جا رہے تھے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ معاشرے میں آپ کو کسی کے تجربے سے کوئی بات ملے تو آپ بڑی خوش دلی اور وسعت قلبی سے اس کو قبول کریں۔

میرا تدریسی تجربہ 1978ء سے لے کر آج 2013ء تک تقریباً ۳۳ یا ۳۴ سال پر محیط ہے۔ الحمد للہ پہلے آٹھ نو سالوں میں، میں نے صرف فنون ہی کے حوالے سے درس و تدریس کی ہے، کتاب کے حاشیے اور کتاب سے استفادے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی جتنی صورتیں تھیں ان پر میری نظر مرکوز رہتی تھی، مثلاً اگر مجھے کافیہ پڑھانا ہوتا تو اس کے لیے تیرہ یا چودہ شروح دیکھ کر سبق کی تیاری کرتا۔ آج میں محسوس کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ معاف کرے، ہوسکتا ہے کہ کئی طالب علموں کا وقت ضائع کیا ہوگا۔ قطبی کے متن پر سلم العلوم کی جتنی شروح تھیں ان کو بالاستیعاب دیکھتا تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ قطبی کے طلبہ کے لیے اس کا جاننا، سمجھنا شاید مشکل ہوتا لیکن جب قاضی، حمد اللہ کے طلبہ کلاس میں بیٹھتے تو وہ بڑی حوصلہ افزائی کرتے اور مجھے کہتے کہ آج آپ نے بڑی اچھی باتیں کہیں۔ سلم، میر زاہد، ملا جلال اور توضیح تلویح وغیرہ کئی کتابیں پڑھا چکا ہوں۔ الحمدللہ! 1986ء میں مجھے ایک کورس کے لیے جامعہ از ہر مصر جانا ہوا تو وہاں کے حالات دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ میں کتنے پانی میں ہوں اور کس نہج پر چل رہا ہوں، اس کے بعد میں نے ضرورت محسوس کی کہ تدریس کے منہج میں کچھ تبدیلی ہونی چاہیے۔

پھر پچھلے سالوں میں جب صوبہ خیبر پختون خواہ میں مجلس عمل کی حکومت کے حوالے سے نفاذ شریعت کونسل اور ہائر کمیشن کے چیئرمین کی ذمہ داریاں ملیں اور یہ چیزیں میرے پاس آئیں تو پھر مجھے مزید احساس ہوا کہ اس میدان میں میری کیا کیا کمزوریاں ہیں اور کہاں کہاں میں نے اس دور میں اور اس وقت ٹھوکریں کھائیں ہیں، جس سے پھر میرا یہ جذبہ بنا کہ میں نے تو ٹھوکر کھالیں لیکن کل میرے شاگرد یہ ٹھوکریں نہ کھائیں۔

تدریس کے تین میدان:...... میں ذاتی طور پر تدریس کے حوالے سے تین میدانوں میں تجربے سے استفادے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں، یعنی نصاب، استاذ اور طریقہ تدریس۔ ہمارے درس نظامی کے نصاب کے دو حصے ہیں: ایک کا تعلق قرآن وحدیث سے ہے، اس میں تو ہم کوئی تبدیلی نہیں لاسکتے اور نہ اس میں تبدیلی کے لیے کوئی سوچ سکتا ہے۔ اگر کوئی سوچے گا تو وہ یقیناً امریکہ یا اس کا حواری ہی سوچے گا، مثلاً جہاد کی آیتیں نصاب سے نکالنے کی مذموم کوششیں، لیکن ہمارے معاشرے میں الحمدللہ ایک ادنیٰ مسلمان بھی اس میں تبدیلی کے بارے میں نہیں سوچ سکتا۔ اس کے علاوہ ہمارے ہاں درس نظامی کے جتنے فنون یا علوم پڑھائے جاتے ہیں، مثلاً: صرف، نحو، فقہ، تفسیر، اصول حدیث، معانی اور ان میں جو کتابیں نچلے درجوں کی ہیں مثلاً صرف ونحو، اس میں کوئی تبدیلی ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ بنیادی مقصد تو ہمارا یہی ہے کہ بچہ عربی گرائمر سیکھ جائے، اس میں اگر تبدیلی ہو تو کسی کو بھی اعتراض یا اختلاف نہیں ہے۔ زیادہ مسئلہ ان علوم کے نصاب کا ہے جنہیں ہم علوم آلیہ کہتے ہیں۔

نصاب میں تبدیلی:...... علوم آلیہ کے نصاب میں تبدیلی کا سوچنا جہاں بڑی ضرورت ہے وہاں اس میں کچھ مشکلات بھی ہیں، ان پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ دینی مدارس کے منتظمات کی طرف سے نصاب میں تبدیلی کی خواہش واضح ہے، جس میں وفاق المدارس العربیہ اور دوسرے مدارس بھی شامل ہیں، خاص کر وفاق المدارس العربیہ جس سے ہمارا بھی تعلق ہے، آئے دن کہا جاتا ہے کہ نصاب میں کچھ قطع وبرید کریں اور نصاب میں جو قدیم کتابیں شامل ہیں ان کو نکال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیں، کچھ مدارس کی طرف سے بھی اس کا مطالبہ ہو رہا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ آج قدیم فلسفے، منطق اور علم الکلام کی ضرورت نہیں ہے، کچھ حد تک ان کی بات میں وزن ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں ایک دوسرے پہلو سے بھی سوچنا چاہیے کہ ان قیمتی اور قدیم کتابوں کو اگر ہم نہ پڑھائیں تو کیا ہمارے پاس تفسیر اور حدیث کے حوالے سے، یا اصولِ فقہ اور علم المعانی کے حوالے سے دیگر کتب کا جو ذخیرہ ہے اس سے استفادہ کرنا ہمارے لیے ممکن رہے گا یا نہیں؟ ٹھیک ہے، ہم معقولات نہیں پڑھائیں گے، ہم فلسفہ کی کتب نہیں پڑھائیں گے لیکن معقولات اور فلسفے کی جو زبان ان کتابوں میں استعمال کی گئی ہیں وہ زبان ہم کہاں سے سیکھیں گے؟ اس پر ہمیں سوچنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ اگر ہم یہ کتابیں نہ پڑھائیں تو میرے خیال سے ہمارے لیے فخر الدین رازی رحمہ اللہ اور امام غزالی رحمہ اللہ علیہ جیسے مفکرین کے افکار کا سمجھنا مشکل رہے گا۔ ہمارے لیے علامہ آلوسی رحمہ اللہ علیہ کی تفسیر "روح المعانی" اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ علیہ کے فلسفہ "حجۃ اللہ البالغہ" کو سمجھنا بھی مشکل ہوگا۔

نصاب کے حوالے سے جو دوسری مشکل ہمیں پیش آرہی ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان کے معروضی حالات کے حوالے سے ہمارے پاس نصاب کی کتابیں بہت کم ہیں بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ان علوم پر دیگر کتب موجود نہیں ہیں بلکہ صرف یہ نصاب اور معاشرے کا جو تعلق ہوتا ہے اس کے مطابق نہیں ہیں۔ نصاب اس وقت کامیاب ہوسکتا ہے جب اس میں معاشرے کی عکاسی ہو۔ آپ جانتے ہیں کہ برطانوی طرز کا عصری نصاب تعلیم ہمارے ہاں ناکام ہے۔ میں لندن میں ایک دفعہ کانفرنس میں شریک تھا تو وہاں پر انہوں نے بہت اچھی باتیں کیں۔ آخر میں، میں نے ان سے یہی کہا کہ نصاب تعلیم اور اس معاشرے کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ تو میرا سوال نہ سمجھ سکے تو میں نے کہا کہ میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نصاب میں معاشرے کی عکاسی ہوتی ہے۔ آپ کے ہاں جو نصاب تعلیم ہے وہ اس (uk) کے معاشرے سے ہم آہنگ ہے اور اس میں اس معاشرے کی جھلک ہے، لیکن جب یہی نصاب ہمارے بیوروکریٹ یہاں سے لے کر پاکستان میں، خیبر پختونخواہ میں لے جاتے ہیں تو ظاہر ہے وہاں یہ معاشرہ تو نہیں اس لیے یہ نظام ناکام ہو جاتا ہے، وجہ یہی ہے کہ نظامِ تعلیم اور نصاب میں معاشرتی اقدام سے ہم آہنگی کا فقدان ہوتا ہے۔

ایک موقع پر میں نے ان سے یہی کہا تھا کہ خواتین کی تعلیم کی اہمیت سے ہم انکار نہیں کرتے، لیکن ہمارے خیبر پختونخواہ کا ایک خاص قومی، معاشرتی اور دینی مزاج ہے، خیبر پختونخواہ میں ہمارے پاس وسائل بھی ہیں لیکن وہاں بچیاں تعلیم کے لیے نہیں جاتیں۔ تین اضلاع کوہستان، ہنگو اور بٹگرام ہمارے ایسے ہیں، جہاں ہمارے پاس لڑکیوں کے اسکول تھے، خواتین ٹیچرز بھی تھیں لیکن وہاں لڑکیاں تعلیم حاصل نہیں کر رہی تھیں۔ اس لیے جو ارباب اختیار تھے میں نے ان سے کہا کہ ہمارا یہ مسئلہ معاشی نہیں بلکہ معاشرتی ہے، تو میرے خیال میں نصاب کے ساتھ جب تک معاشرے کا گہرا تعلق نہ ہو تو وہاں نصاب کا سمجھنا مشکل رہتا ہے۔ چنانچہ نصاب میں تبدیلی کی ضرورت ہے لیکن اس تبدیلی کے لیے ہمیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نئی نسل کو تیار کرنا ہوگا کہ نحو، صرف اور دیگر دوسرے فنون کے لیے مواد بنا کر آپ کے سامنے رکھیں۔ صرف تبدیلی کا نعرہ لگانے سے میرے خیال میں کافی مشکلات ہوں گی۔

استاذ:......سوال یہ ہے کہ جب ہمارے پاس نصاب نہ ہو تو کیا ہم یوں ہی بیٹھے رہیں گے؟ نہیں...... ہمیں فی الوقت اپنا مقصد اسی نصاب سے پورا کرنا ہوگا البتہ استاذ کی تربیت پر زیادہ توجہ دینی ہوگی۔ تدریس ایک فن ہے استاذ کو پڑھانے کا فن جاننا چاہیے۔ یہ بدقسمتی اور کمزوری ہے کہ ہمارے مدارس میں اس کو بطور فن کوئی تسلیم نہیں کر رہا۔ اگر ہم اس کو بطور فن تسلیم کرلیں تو میرے خیال سے مہتمم بھی استاذ کی تقرری سے پہلے اس سے یہ پوچھے گا کہ بھائی تم نے تدریس کہیں سیکھی ہے یا نہیں؟ اور خود مدرسہ اپنے اساتذہ کے لیے کوئی ایسا نظام مرتب کرے گا، جس میں اساتذہ کی ضروری تربیت ہو جائے، لیکن یہ تب ممکن ہے جب سب اسے تسلیم کرلیں۔

ہم نے تدریب المعلمین کے کچھ کورسز کروائے۔ ایک تو ہم نے اپنے موجودہ اساتذہ کے لیے کروایا، دوسرا ہم نے اپنے فضلاء کے لیے کروایا اور تیسرا ہم نے پورے صوبہ کی سطح پر چار روزہ کورس کا اہتمام کیا۔ اور پھر دو سال تک ہم نے اپنے چند فضلاء کے لیے ایک سالہ تدریب المعلمین کی کلاسیں چلائیں لیکن اس کام کو پذیرائی نہ مل سکی۔ اگر کسی فاضل سے کوئی عالم پوچھتا کہ بھائی کیا کر رہے ہو تو وہ جواب دیتا کہ میں تدریب المعلمین کا کورس کر رہا ہوں، تو کہتا کہ چھوڑو یار حضرت مدنی رحمہ اللہ نے یہ کہاں کیا تھا؟ اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ بہترین مدرس تھے، انہوں نے کہاں تدریب کی تھی؟ اور حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ نے کہاں تدریب کا کورس پڑھا تھا؟ جو تم کر رہے ہو۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ان باتوں سے ان فضلاء کی حوصلہ شکنی ہوتی تھی۔ کبھی کبھی یہ بھی کہتے کہ بھائی ایک سال تخصص میں لگا کر مفتی بن سکتے ہو، لیکن یہاں ایک سال تدریب میں رہ کر تم کیا بنو گے؟ اس تدریبی کورس کا کوئی لاحقہ یا تشخص نہیں، چنانچہ یہ تدریبی کورس کامیاب نہ ہوسکا۔ اس لیے ہماری کمزوری یہ ہے کہ ہم تدریس کو بطور فن تسلیم نہیں کر رہے ہیں۔ جدید دور میں تدریس کے جتنے ذرائع ممکن ہیں ان سے استفادہ کے لیے ہمیں اساتذہ کی تربیت کرنی چاہیے جس سے ہم اپنا تدریسی نظام بہتر راہ پر گامزن کرسکتے ہیں۔

میں لندن کے ایک پرائمری اسکول میں گیا وہاں Faith کی بنیاد پر جتنے اسکول بنے ہیں اُن کا وزٹ کیا۔ ایک پرائمری اسکول کے اسٹور میں جب گئے تو میں نے اس میں چونتیس ہزار آلات علم (Teaching tools) دیکھے۔ یعنی ان کے کمپیوٹر میں، میں نے دیکھا کہ چھوٹے بچوں کے کھیلنے اور ساتھ ساتھ سیکھنے کے لیے جو چیزیں انہوں نے رکھی تھیں وہ تقریباً چونتیس ہزار تھیں، تو یہی وجہ ہے کہ ان کا طالب علم ہمارے اسکول کالج کے طالب علم سے کئی گنا آگے ہوتا ہے۔ دوسروں کے تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں اپنے حالات بہتر بنانے کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے اور بنیادی بات یہ ہے کہ ہم استاذ کو استاذ بنادیں۔ اگر استاذ کو آپ صحیح معنوں میں استاذ بنادیں تو اسی نصاب کے ساتھ وہ طلبہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عصری تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی تربیت کرے گا اور ان کو عصری حالات کے مطابق تیار کرے گا۔

مڈل میں ہمارے ایک استاذ تھے، وہ ہمیں اردو پڑھایا کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے کہا کہ میری تقرری قبائلی علاقے میں ہوئی۔ جب میں وہاں گیا تو ایک ملک صاحب نے اپنے بچے کو پڑھانے کے لیے مجھے استاذ رکھا۔ اسکول میں بھی پڑھاتا اور اس کے ڈیرے میں رہ کر اس کے بچے کو بھی پڑھاتا تھا۔ لیکن اس ملک صاحب کا بچہ عجیب تھا میں جب اس کو سبق کے لیے بٹھاتا کہ بھائی سبق پڑھو تو وہ کہتا کہ نہیں پڑھتا۔ تین مہینے تک میں ایک دن بھی اس کو پڑھانے میں کامیاب نہ ہوا۔ میں اس سے کہتا کہ پڑھو، تو آگے سے جواب دیتا کہ نہیں پڑھتا۔ روزانہ دو تین گھنٹے میرا اس کے ساتھ یہی جھگڑا ہوتا۔ ہمارے اس استاذ کا نام شیر بہادر (مرحوم) تھا، جو اکوڑہ خٹک کے رہنے والے تھے، اللہ بخشے بڑے اچھے استاذ تھے، پھر کہتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ اگر ملک صاحب مجھ سے پوچھیں گے کہ تین مہینے میرے بچے کو کیا پڑھایا تو میں کیا جواب دوں گا؟ کہتے ہیں کہ میں نے خوب سوچا کہ کس طرح بچے کو پڑھاؤں۔ آخر میں ایک تدبیر ذہن میں آئی کہ بچے کا یہ کہنا کہ ''نہیں پڑھتا ہوں، نہیں پڑھتا ہوں'' میں نے اسی سے استفادہ کرنا ہے۔ چنانچہ دوسرے دن بچے کو کہا کہ بیٹا! پڑھو، الف نہیں پڑھتا ہوں، با نہیں پڑھتا ہوں، اس نے کہا کہ الف نہیں پڑھتا، با نہیں پڑھتا۔ یہ نہیں نہیں پڑھتے پڑھتے میں نے اس کو سب کچھ پڑھا دیا۔ استاذ استاذ ہوتا ہے اس لیے آپ استاذ کی تربیت کرکے اسے استاذ بنائیں۔

میں نے تین چار ملکوں کے نظام تعلیم کا مطالعہ کیا ہے اور انہیں قریب سے دیکھا ہے۔ برطانیہ کے نظام تعلیم پر میں نے ''برطانیہ کے نظام تعلیم کا مطالعہ'' کے عنوان سے کچھ لکھا بھی ہے۔ برطانیہ کے علاوہ سام، مصر اور اردن کے نظام ہائے تعلیم کا مشاہدہ کیا اور سعودی عرب میں تو عام آنا جانا ہوتا ہے۔ ان کے نظام تعلیم سے خوب واقفیت ہے۔ برطانیہ کا میں اس لیے نام لے رہا ہوں کہ یہ لوگ جو نیت باندھ رہے ہیں وہ ''یوکے'' کے لیے باندھ رہے ہیں اور ''یوکے'' کے نظام تعلیم میں استاذ کا کردار بنیادی ہے۔ وہاں حکومت کی طرف سے صرف نصاب دیا جاتا ہے، درسی کتب ان کے ہاں مقرر نہیں ہیں۔ استاذ مقررہ نصاب کے مطابق بچے کو کامیابی سے منزل تک پہنچا دیتے ہیں...... اس لیے آپ استاذ بنائیں، اور تدریب کو بطور فن تسلیم کرکے استاذ کی تربیت کریں تو اس میدان میں یقیناً آپ کی جتنی توقعات ہیں وہ پوری ہوں گی۔

طریقۂ تدریس:...... تیسری چیز جس کی میں ضرورت محسوس کر رہا ہوں اور وہ ہماری کمزوری ہے اسے طریق تدریس کمزوری کہیں یا یوں کہیں کہ ہم طلبہ کی نفسیات کو جانچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس حوالے سے پشاور میں پانچ چھ سال مہتممین حضرات کی ایک ورکشاپ ہوئی تھی۔ اس وقت جس نکتے پر میں نے زور دیا تھا وہ یہ تھا کہ ہم اپنے طالب علموں کی نفسیات کو سمجھیں، یہ ایک بنیادی چیز ہے۔ ہم بعض اوقات سات سال کے بچے کو ستر سال کا بزرگ بنانے کی کوشش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں میرے پاس ایک صاحب آئے انہوں نے کہا کہ میرا بیٹا ایسا ہے اور ایسا ہے۔ میں ہنس پڑا اور میں نے پوچھا کہ بیٹے کی کتنی عمر ہے، انہوں نے کہا کہ اکیس سال۔ میں نے کہا کہ آپ کی عمر۔ انہوں نے کہا کہ میری عمر پینسٹھ سال۔ میں نے کہا کہ اکیس سال میں یہ جس طرح ہے یہ میرے خیال میں تم سے کئی لحاظ سے اچھا ہے لیکن تم ابھی سے اسے اکیس سال میں پینسٹھ سالہ بنانا چاہتے ہو یہ ناممکن ہے۔

کبھی ہم بچے کو کھیل سے منع کرتے ہیں کیوں نہ کھیلے بچہ؟ کھیلنا کوئی ناجائز ہے؟ آپ بچے کی شخصیت میں دینی اقدار کا ضرور خیال رکھیں، لیکن آپ بچے کو چوبیس گھنٹے یوں نہ رکھیں کہ اس کی نفسیات اور خواہشات دب جائیں۔ نفسیات طبعی چیز ہے اور اسلام فطری دین ہے اس لیے یقیناً اس میں نفسیات کی رعایت رکھی گئی ہے۔ ہمیں بچے کی نفسیات کو سمجھ کر اس کے مطابق اس کے لیے پروگرام بنانا چاہیے۔ اگر آپ بچوں کی نفسیات کا خیال رکھے بغیر ان پر بہت پابندیاں لگائیں گے تو وہ دوسری طرف چل پڑیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کے لیے ناقابل برداشت ہو جائیں۔ یہ آج کا مسئلہ نہیں ہے کہ تعلیم میں نفسیات آج آگئیں۔ یہ تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب العلم میں موجود ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ اگر ہمارے مدارس اور کچھ تبدیلی نہ کریں صرف یہ کریں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب العلم کے جو 53 ابواب ہیں ان کا عملی اطلاق کر دیں تو مدارس کی صورتحال بہت بہتر ہو جائے گی۔ وہ استاذ کس شکل میں دیکھتے ہیں، استاذ کیسا ہونا چاہیے؟ وہ طالب علموں کے لیے کیا ضرورت متعین کرتے ہیں؟ وہ ماحول بنانے کے لیے کیا نقشہ دیتے ہیں؟ وہ طریق تدریس پر کیا رہنمائی دے رہے ہیں؟ وہ نفسیات کے حوالے سے مسئلہ چھیڑ رہے ہیں کہ بھائی طلبہ کو یوں رکھیں کہ استاذ طالب علم بن کر طالب علم کے ساتھ رہے۔ میں کبھی کبھی ساتھیوں سے کہا کرتا ہوں کہ استاذ طالب علم کے ساتھ بیٹھے تو واعظانہ ماحول پیدا نہ کرے بلکہ طالب علمی کا ماحول پیدا کرے۔ واعظانہ ماحول میں مقرر بہت اونچا ہوتا ہے اور سننے والا بہت دور ہوتا ہے، یعنی فاصلے درمیان میں ہوتے ہیں لیکن تعلیمی میدان میں استاذ اور طلبہ کے درمیان فاصلے ختم ہو جاتے ہیں، مشکوٰۃ شریف میں حدیث جبرئیل سے سبق حاصل کریں:

"فأسند ركبتيه إلى ركبتيه و وضع كفيه على فخذيه" یہ استاذ اور شاگرد کی باہمی مناسبت اور ربط ہے۔

آپ طالب علم کو صرف پیار اور محبت دیں۔ یہ بحث چھوڑ دیں کہ مارنا کہاں تک جائز ہے؟ میں عرض کرتا ہوں کہ تادیب جائز ہے لیکن تعذیب حرام ہے۔ استاذ کو تعذیب کا حق حاصل نہیں، تادیب کا حق ہے اور تادیب مار میں نہیں پیار میں مضمر ہے۔

قاری رحیم بخش صاحب کا واقعہ: ...... ہمارے جامعہ کے ناظم تعلیمات واستاذ حدیث حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے ایک موقع پر قاری القراء حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب پانی پتی کا واقعہ سنایا کہ ان کے ایک طالب علم فلم بینی کا بڑا شوق تھا وہ بہت فلمیں دیکھتا تھا لیکن حضرت قاری صاحب اس پر بہت خفا ہوتے تھے۔ طالب علم نے بتایا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میرے استاذ نے بہت سمجھایا لیکن میں باز نہ آیا۔ ایک دن جب میں سبق میں بیٹھا تھا تو میری جیب سے انہوں نے وہ ٹکٹ نکالا جو فلم دیکھنے کے لیے میں نے لیا تھا۔ قاری صاحب نے اپنے ہاتھ کی گھڑی اتار کر ایک جگہ رکھی اور آستین چڑھائے اور مجھے کہا کہ کمرے میں اندر آجاؤ۔ میں کمرے میں گیا اور ڈر رہا تھا کہ آج تو مارا گیا۔ کہتے ہیں کہ جب میں کمرے میں گیا تو استاذ صاحب دونوں ہاتھ میرے سامنے جوڑ کر رو پڑے اور میرے قدموں میں گر پڑے اور مجھے کہنے لگے کہ میں نے کئی راتیں اللہ کے دربار میں رو رو کر تمھارے لیے مانگا ہے کہ تم راہ راست پر آجاؤ، لیکن تم راہ راست پر نہ آئے، خدا کے لیے میری لاج رکھ لو، اب سوائے اس کے کہ میں تمھاری منت کروں میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں، میں تمھارے پاؤں پکڑتا ہوں، کبھی میری منت کرتے اور کبھی میرے پاؤں پکڑتے۔ میں اندر سے ہل گیا اور ان کے سامنے فلم بینی سے ایسی سچی توبہ کی کہ پھر کبھی اُدھر کا رخ بھی نہیں کیا اور اس کی برکت ہے اس وقت سے لے کر آج تک مجھ سے تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی، تو استاذ کی ایسی شفقت ہی سے صحیح اصلاح ہوتی ہے۔ آپ بھی طلبہ کو مارنا پیٹنا چھوڑ دیں خاص طور پر تو شعبہ حفظ میں تو مار پیٹ کو چھوڑنا ہوگا۔ جو قاری صاحب بچوں کو مارے اس کو نااہل (disqualify) کردو کہ بھائی تم پڑھانے کے قابل نہیں ہو، تمھارا کچھ معیار ہونا چاہیے۔ یہ تب ممکن ہوگا جب آپ بچوں کی نفسیات کو دیکھ کر ان کی تربیت کے حوالے سے فیصلہ کریں۔

یقیناً ان تین چیزوں کے ادراک سے ہم میدان تدریس میں نمایاں انقلاب پیدا کرسکتے ہیں اور نسل نو کی بہتر آبیاری کرسکتے ہیں۔

☆......☆......☆

دوائے دل کورس

(دل کے آپریشن سے پہلے ضرور آزمائیے)

بند والوز (شریانیں) کھولنے کا قیمتی تحفہ

دل کی تکلیف مثلاً ضعف قلب، گھبراہٹ، دل کی دھڑکن کا تیز رہنا، ہائی بلڈ پریشر، کولیسٹرول کی زیادتی کو دور کرتا ہے۔

مکمل معلومات حاصل کرنے اور مزید ہر قسم کے مشورہ کیلئے رابطہ کریں

حکیم حافظ سید محمد احمد، لاہور 042-35016299-0332-8477326

© rasailojaraid.com